پروفیسر محمود الحسن قریشی مرحوم

قصائی

گوشت خور ہونے کے ناتے سے کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ گوشت بھی کھایا جائے اوراس بہانے قصائی صاحب سے بھی شرف ملاقات حاصل ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں گوشت کھانے کو کچھ زیادہ ہی جی چاہا۔ اتفاق سے وہ دو دن بھی نہیں تھے، جب ناغہ ہوتا ہے۔ ہم قصائی کی دکان پر پہنچے تو اس وقت گاہکی کا وقت نہیں تھا۔ ہم نے گوشت کی درخواست کی۔ انہوں نے منظور فرمائی۔ ہمارے اس قصائی کا نام تو زاہد ہے لیکن اس کی شکل وصورت قصائیوں جیسی ہی ہے۔ جب اس نے مجھے گوشت تھمایا تو میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گوشت تو نہیں تھا البتہ تھی کوئی گوشت نما چیز۔ میں خون کے گھونٹ پیتے ہوئے بولا یہ تم نے مجھے گوشت دیا ہے۔ اس نے کہا ایمان سے جی بہت اچھا ہے۔ جانتا ہوں تم قصائیوں کے ایمان کو گدھے اور کتے تک کو تو تم لوگوں نے بخشا نہیں اور نہ جانے کتنے مسلمانوں کو حرام کھلاتے رہے ہو۔ وہ ہنس کر بولا:

> ''جناب! گزشتہ سالوں سے آپ ایسا گوشت کھانے اور ہم بیچنے کے عادی ہو چکے ہیں جس پر تکبیر صرف اونچے لفظوں میں پڑھی گئی ہو۔ جانور چاہے کوئی بھی ہو، باقی رہا حلال وحرام کا چکر تو آپ کے کتنے مسلمان ہیں جو حرام سے پرہیز کرتے ہیں۔''

کل میں اپنے ایک دوست ڈاکٹر کے کلینک پہنچا۔ یہ وہی تھا جس نے ایف ایس سی میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے پر اپنے ایک اخباری انٹرویو میں کہا تھا کہ میں ڈاکٹر بن کر دکھی انسانیت کے دکھ درد بانٹوں گا۔ اگرچہ اس کا نام زاہد تو نہیں تھا، تاہم تھا یہ بھی قصائی جو اپنے کمزور اور بیمار جانوروں کی جیب کی کھال بڑی مشاقی سے اتار رہا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے اپنا وکیل چچا بھی قصائی ہی لگتا ہے۔ جس کے پاس بڑے اور چھوٹے گوشت دونوں کا لائسنس ہے اور وہ بااختیار ہے کہ ہمہ قسم کے جانور ذبح کر سکے۔ وہ اپنے موکل کو نظروں سے اس طرح ٹٹول رہا ہوتا ہے جیسے قصائی اپنے جانور کے وزن کا ٹٹول کر اندازہ کرتا ہے۔

میں نے اپنے ایک انسپکٹر دوست جو (کسٹم اینڈ ایکسائز کے محکمے سے تعلق رکھتا ہے) پوچھا سناؤ کیسے کھالیں اتار رہے ہو۔ بولا ہمیں قصائی بننے کی نوبت ہی نہیں آتی بلکہ ہمارے جانور اتنے صحت منداور تندرست ہیں کہ ان کی پشم سے ہی کام چل جاتا ہے۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ موت کیوں جرم ضعیفی کی سزا ہے۔

قصائیوں کی ایک اور قسم بھی ہوتی ہے جنہیں ہم تخیلاتی قصائی کہہ سکتے ہیں۔ یہ قصائی خیالوں میں اپنی دکان سجاتے ہیں، خیالوں میں بکرے ذبح کرتے ہیں اور خیالوں میں ہی گوشت فروخت کر کے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اس قبیل کے ایک بڑے کا نام حضرت غالب ہے جو اپنا گوشت کچھ اس طرح سے بیچتا ہے:

آتے ہیں غیب سے یہ بکرے دکان میں
غالب دکاں سجائے گردے فروش ہے

ایک اور قسم ادبی قصائیوں کی بھی ہوتی ہے۔ یہ کبھی کبھی اپنی دکان سجاتے ہیں۔ بعض ہفتے میں ایک دفعہ یا پھر پندرہ دن بعد اور یہی وہ قصائی ہیں جو بال کی کھال اتارتے ہیں۔ ادیب اپنی کاوش پیش کرنے کے بعد ان کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے بھیڑ آخری بار پانی پینے کے بعد قصائی کو دیکھتی ہے۔ یہ قصائی اپنے اپنے لفظوں کے ٹوکے لیے باری باری تخلیق کا قیمہ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور سب اپنے دل میں خوش ہوتے ہیں کہ اچھا قیمہ کیا ہے۔

عاشق بھی عجیب جانور ہیں جو ہر وقت اپنے مخصوص قسم کے قصائی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جہاں وہ انہیں مل جائے وہیں ذبح ہونے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں بلکہ اپنے دل، گردے، کلیجے وغیرہ خود ہی اس کے حاضر کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اس قسم کا ایک جانور اپنے قتل کا اہتمام یوں کرتا ہے:

میں نے اس کے سامنے پہلے تو خنجر رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا

اور انہیں اپنا قصائی ملنا اس قدر مشکل ہوتا ہے جیسے عید الاضحیٰ کے دن ہمیں دوسرا قصائی۔

ویسے تو ہمارے اردگرد قصائیوں کی بھرمار ہے لیکن بڑے اور تجربہ کار قصائی وہ ہمیں جو اپنے جانور کی زبان پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِدھر کوئی بولا اُدھر ذبح اور پھر ان سے پوچھنے والا بھی کوئی نہیں اور نہ ہی یہ لائسنس یافتہ ہیں لیکن ہمہ قسم کا جانور ذبح کر سکتے ہیں۔ نہ صرف ذبح کر سکتے ہیں بلکہ جھٹکا بھی کر سکتے ہیں لیکن جھٹکے سے پہلے بھی تکبیر ضرور پڑھتے ہیں۔ قصائی قصائی ہی ہوتا ہے، وہ جھٹکا کرے، جھٹکا دے یا ذبح کرے:

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو پرچہ نہیں ہوتا

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان
ابن امیر شریعت
حضرت پیرجی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)
31 اگست 2006ء
جمعرات بعد نماز مغرب
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961